بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين،

أَمَّا بَعْدُ:

44-اللہ تعالیٰ کی سننے اور دیکھنے کی صفت کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں اور آج کی نشست میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات الکمال میں سے دو پیاری صفات کو بیان کرتے ہیں "صفة السمع والبصر لله تعالىٰ" (اللہ تعالیٰ کی سننے اور دیکھنے کی صفت کا بیان)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان دو صفات کو ثابت کرنے کے لیے سات آیات بیان کی ہیں قرآن مجید میں سے:

پہلی آیت سورۃ المجادلۃ کی آیت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾ (المجادلۃ: 1)

یہ سب سے پہلی آیت ہے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اللہ تعالیٰ کی صفت السمع کو ثابت کرنے کے لیے، اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے حقیقتاً جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

اور اس آیت میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ﴾: تحقیق کے لیے ہے (یعنی یقیناً، بے شک)۔

﴿سَمِعَ﴾: (اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے)۔

﴿قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا﴾: (اس عورت کا قول جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدال کر رہی ہے اپنے خاوند کے تعلق سے)۔

﴿وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾: (اور شکایت اللہ تعالیٰ سے کر رہی ہے)۔

﴿وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾: (اور اللہ تعالیٰ سُن رہا ہے تمہارے تحاور (جو آپس میں باتیں ہو رہی ہیں))۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ﴾: (بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے)۔

اور السمیع البصیر جیسے سب جانتے ہیں کہ صیغۃ المبالغہ ہے جس میں صفت کو مضبوطی سے بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

"المجادلة": شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ وہ عورت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے تعلق سے یہ شکایت کی ہے کہ اس کے خاوند نے اس سے ظہار کیا ہے، اور ظہار کا مطلب ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی سے کہے "تم میرے لیے میری ماں کی مانند ہو"۔

ظاہر سے لیا گیا ہے (لفظ ظاہر سے لیا گیا ہے) جیسا کہ تم میرے لیے ماں کی مانند ہو "كظهر أمي"، یعنی بیوی کو ماں کے برابر یا ماں کے لفظ سے اس طریقے سے کہنا جیسا کہ ماں حرام ہے ویسے ہی تم میری لیے حرام ہو گئی ہو، دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا تھا تو بیوی اس پر حرام ہو جاتی تھی ہمیشہ کے لیے طلاق واقع ہو جاتی تھی (طلاق بائن، رجعی نہیں)۔

دور جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا تھا اسے یہ کہہ دیتا تھا "أنت علي كظهر أمي" "تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ یعنی ظہر کی مانند ہو (یعنی میرے اوپر تم حرام ہو گئی ہو جیسے میری ماں مجھ پر حرام ہے یعنی نکاح کے لیے) تو دور جاہلیت میں یہ معاملہ جو ہے یہ طلاق سمجھا جاتا تھا (طلاق بائن یعنی کوئی رجعت نہیں ہے ایک لفظ سے طلاق ہو گئی ہے، ایک دفعہ کہہ دیا بات ختم ہے) اور بیوی حرام ہو جاتی تھی ہمیشہ کے لیے۔

تو ان صحابی سے ظہار ہو گیا اپنی بیوی سے اور بیوی کو یہ کہہ دیا، تو وہ عرض کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ میرے چھوٹے بچے ہیں میرے خاوند نے اس عمر میں مجھے ظہار کر دیا ہے میں کہاں بچے لے کو جاؤں آپ کچھ نظر ثانی کیجیے۔

اور اس پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اور جو معاملات اس وقت موجود تھے وہی تھے جو جاہلیت میں موجود تھے، یعنی اس میں کوئی نئی چیز نہیں تھی۔

اب ایک ظہار ہے اور طلاق ہو گئی ہے اب وہ دیکھیں نا (سبحان اللہ) شکایت اللہ تعالیٰ کو کر رہی ہیں اور یقین ہے کہ حل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی آنا ہے، اس لیے فرمایا ﴿وَتَشْتَكِيٓ إِلَى اللَّهِ﴾، یہ نہیں فرمایا "وتشتكي إلى رسول الله"، فرق دیکھیں۔ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ کو دیا ہے، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے۔

یعنی ایمان، تقویٰ اور علم دیکھیں اس زمانے میں اگرچہ ایک بزرگ خاتون ہے، یعنی علماء فرماتے ہیں کہ عمر رسیدہ ہو چکی تھی اس کے باوجود بھی اس کے خاوند سے جو بھی ہوا وہ ہو گیا کہہ دیا اب وہ حل کی تلاش میں ہے اور پتہ ہے حل کہاں ملے گا۔ دیکھیں نا!

تو یہ بھی سبق ہمیں ملتا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ درپیش آجائے تو ہر اَیرے غیرے سے نہیں پوچھا جاتا، آپ ان سے پوچھیں جن سے آپ توقع کرتے ہیں کہ آپ کو اس کا حل ملے گا اور صحیح جواب ملے گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی اس کا حل نہیں تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو حل تھا وہی تھا جو ظہار یعنی طلاق ہو گئی ہے (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: "فأفتاها الله عز وجل بما أفتاها به في الآيات المذكورة": پھر سورۃ المجادلۃ کی یہ آیات نازل ہوئیں اور ابتداء اس آیت سے ہوئی ہے (اور حل ہو گیا پھر اس کا کفارہ ہو گیا اور جو طلاق کا مسئلہ تھا وہ ختم ہو گیا اور ظہار کا کفارہ آ گیا اس کی جگہ اور دین اسلام میں ظہار جو ہے اب وہ طلاق نہیں ہے اس کے الگ احکام اور مسائل آ گئے ہیں)۔

الغرض، تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: شاہد یہ ہے جو اصل موضوع ہے ہمارا کہ اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت جو ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ﴾: اس میں اللہ تعالیٰ کی سننے کی صفت کا ثبوت ملتا ہے، اللہ تعالیٰ آوازوں کو سنتا ہے چاہے جتنی بھی دور یا قریب ہی کیوں نہ ہوں۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا): کہ "تَبَارَكَ (أَوْ قَالَتْ: الْحَمْدُ لِلَّهِ) الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ": (بابرکت ہے وہ ذات جس کی سمع بہت ہی وسیع ہے جو آوازوں کو سنتا ہے، میں اسی گھر (یعنی اسی حجرے اسی کمرے میں) میں بیٹھی ہوئی تھی جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت سے بات کر رہے تھے اور بہت ساری باتیں مجھ سے مخفی رہ گئیں میں سُن نہ سکی، اور اللہ عزّوجلّ نے یعنی عرش کے اوپر سے اس کی تمام گفتگو کو سُن لیا اور یہ آیت نازل ہوئی ہے)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو سمع منسوب ہے (جو نسبت ہے سمع کی جو اضافہ ہوا ہے) اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک ہے "سمع يتعلق بالمسموعات، فيكون معناه إدراك الصوت": یعنی سننا۔ (۲) اور دوسرا ہے "استجاب دعاءه" (دعا کی استجابت کرنا)۔

لفظ ایک ہی ہے ﴿سَمِعَ﴾ معنی دو ہیں۔

سمع اللہ جو ہم کہتے ہیں "سمع اللہ" اس کے ایک نہیں دو معنی ہیں: (۱) ایک معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سُن لیا ہے۔ (۲) اور دوسرے کا اللہ تعالیٰ نے دعا کو سُن لیا (یعنی دعا کی استجابت معنی مراد ہے)۔

اور جو سننا ہے (ادراک الاصوات جسے کہتے ہیں) آواز کا سننا جو ہے جو پہلا معنی ہے اس کی تین قسمیں ہیں:

1- پہلی قسم ہے کہ لفظ سَمِعَ کا ہے لیکن اس سے مراد التہدید ہے (تہدید کہتے ہیں دھمکی کو، دھمکی دینے کو)۔

2- اور دوسرا ہے التأييد (مدد اور اعانت اور تائید کرنے کو)۔

3- اور تیسرا ہے اللہ تعالیٰ کے احاطے کو کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں اس مسئلے میں محیط ہے (سُن لیا یعنی محیط ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے سُن لیا ہے)۔

مثال سے بات آسان ہو جاتی ہے میں دلیل بیان کرتا ہوں لیکن پہلے مثال دیکھ لیں۔

1- بچہ کچھ بات کر رہا ہے اور غلطی کر رہا ہے (یعنی بدتمیزی کی ہے کسی بڑے سے) آپ نے کہا میں سُن رہا ہوں بچے کو کیا سمجھ آئی کہ میں بات کرتا رہوں یا میں رُک جاؤں؟ کیوں رُکے گا بچہ؟ اس کو پتہ ہے کہ سننے کا مطلب ہے دھمکی دے رہا ہوں تو تمہیں پکڑوں گا اور تمہیں پھر اس کی سزا بھی دوں گا میں۔

جبکہ لفظ کیا ہے کہا کیا ہے؟ مت کرو تمہیں ماروں گا، تمہیں پیٹوں گا، تمہیں سزا دوں گا یا لفظ کیا ہے؟ میں سُن رہا ہوں۔ تو عام زبان میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ "سننا" دھمکی کا معنی بھی ہوتا ہے۔

2-دو لوگ باتیں کر رہے ہیں اور ایک مسئلے میں تھوڑا سا مسئلہ ہو گیا ہے آپ نے کہا میں سُن رہا ہوں۔ جو آپ کی طرف سے اسٹوڈنٹ ہے یا جو بھی ہے جب آپ اسے کہتے ہیں میں سُن رہا ہوں، اس کو کیا سمجھ آئے گی؟ یا اس کو کہتے ہیں کہ جاؤ تم فلاں کام کرو یا فلاں بات کرو میں سُن رہا ہوں، اس کو کیا سمجھ آئے گی آپ کے سننے سے کہ اس کو آپ کی مدد آپ کی اعانت کی جب ضرورت پڑے گی آپ کریں گے یا نہیں کریں گے؟ جبکہ لفظ کیا ہے؟ سننے کا ہے۔

3-اب میں بات کر رہا ہوں آپ لوگ سُن رہے ہیں یہ کون سا سننا ہے؟ میری بات کا احاطہ کہ آپ کو سمجھ آ رہی ہے میں بات کیا کہہ رہا ہوں۔

اب لفظ ایک ہے معنی کتنے نکلے؟ تین۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس کی دلیل ہے قرآن مجید میں کہ نہیں۔

1- پہلا معنی جو ہے سننے کا "التهديد" (دھمکی دینا)، اس کی مثال اور دلیل سورۃ الزخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ﴾ إلى آخر الآية (کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے؟) (الزخرف:80)۔

یعنی یہ جو چھپ کر باتیں کر رہے ہیں یہ سرگوشیاں جو کر رہے ہیں کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم سنتے نہیں ہیں؟! تو معنی کیا ہے؟ کہ جو کہنا ہے تم کہہ لو ہم سنتے بھی ہیں اور اس کی سزا بھی دیں گے (یعنی تم ایسا مت کہو جو تم کر رہے ہو) یہ تہدید دھمکی کا معنی ہے۔

دوسری آیت سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ﴾ (آل عمران:181)، نعوذ باللہ۔

﴿لَقَدۡ سَمِعَ﴾: اس میں تین مؤکدات ہیں: (۱) پہلا ہے "قسم محض والله"۔ (۲) پھر لام ہے۔ (۳) پھر قد ہے۔ ﴿لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ (اللہ تعالیٰ نے سُن لیا ہے) ﴿قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا﴾ (اُن لوگوں کا قول جن لوگوں نے یہ کہا) ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ﴾ ((نعوذ باللہ) کہ بے شک اللہ تعالیٰ فقیر ہے) ﴿وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ﴾ (اور ہم اُغنیاء ہیں (ہم امیر ہیں))۔ کس نے کہا ہے یہ؟ یہودیوں نے کہا (آگے تفصیل اس کی آئے گی)۔

توجب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾: جب انہوں نے یہ بات کہہ دی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے سُن لیا ہے تو اس سننے سے کیا مراد ہے کہ صرف سننا ہے یا دھمکی بھی ہے؟ کہ جو تم نے بات کہی ہے بہت بڑی بات ہے عام بات نہیں ہے اور تمہیں عنقریب اس کی سزا ملنے والی ہے اگر تم توبہ نہیں کرتے ہو، تو یہ دھمکی کا معنی اس میں موجود ہے۔

2-دوسرا معنی: ''التأیید''(مدد اور اعانت)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے: ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾(بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں)(طٰہٰ:46)۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دو پیارے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو بھیجا ہے فرعون کی طرف اور فرعون اپنے وقت کا سب سے بڑا ظالم تھا جبر کرنے والا اور سخت سے سخت تکلیف دینے والا لوگوں کو (یعنی بنی اسرائیل جو ہیں مستضعفین تھے اُن پر ظلم و ستم کرنا جو ہے یعنی معروف تھا)، گھمنڈی متکبر اپنے زمانے کا، اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو جب رسالت دی ہے تو یہ حکم دیا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون کے اس ظلم و ستم سے نجات دلانی ہے اور واپس فلسطین لے کر آنا ہے مصر سے، اور آیات بیّنات بھی ساتھ اللہ تعالیٰ نے دے دی ہیں (لاٹھی کا سانپ بن جانا، اور ید بیضا، اور دیگر اور بھی آیات تھیں)، ﴿تِسْعَ اٰیٰتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے(الاسراء:101)۔

الغرض، شروع میں تو ظاہر ہے یعنی سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام وہیں سے نکلے تھے ڈر کر اب واپس اُدھر ہی جانا ہے اور فرعون کے سامنے جانا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی سنانا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی﴾ کہ پریشان نہ ہو ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔

تو ﴿اَسْمَعُ﴾ سے یہاں پر کیا مراد ہے صرف تمہاری باتیں سنوں گا؟ مدد اور اعانت (میری مدد تمہارے ساتھ ہے)، میں تمہارے ساتھ ہوں میں سنتا بھی ہوں یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں میں خوب سنتا ہوں، جو آپ کہتے ہیں وہ بھی سنتا ہوں، یعنی یہ فکر نہ کریں جو بھی انہوں نے جواب دینا ہے جو مخالفت کرنی ہے میں خوب سنتا ہوں۔

3-اور تیسرا معنی جو ہے: "الإحاطة" (کہ سننے کا احاطہ جو ہے)، جیسا کہ اس آیت میں ہے سورۃ المجادلۃ کی آیت نمبر 1 میں: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾۔ تو یہ پہلی دلیل ہے واضح ہے؟

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ کی سننے کی صفت کے بیان میں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے وہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 181، جو ابھی بیان کی ہے ہم نے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ﴿لَقَدْ﴾: یہ جملہ جو ہے "مؤكدة باللام، و(قد)، والقسم المقدر، تقديره: والله" (جس کی تقدیر واللہ)۔

یعنی ﴿لَقَدْ﴾: جب یہ لفظ پڑھیں قرآن مجید میں ﴿لَقَدْ﴾ تو اس کا مطلب ہے تین مؤکدات، تین دفعہ تاکید کی جا رہی ہے اس بات کی۔

تین کہاں ہیں لفظ تو ایک ہے ﴿لَقَدْ﴾؟ (۱) لام ہے تاکید کے لیے۔ (۲) قَدْ تاکید کے لیے ہے۔ (۳) پھر قسم مقدر ہے "والله لقد" اصل یہ جملہ تھا۔

قسم ہے، مقدر ہے جو لکھی نہیں جاتی، پڑھی بھی نہیں جاتی لیکن اس لفظ کے معنی کے اندر موجود ہے، اسے کہتے ہیں قسم مقدر۔

اور جن لوگوں نے کہا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾: یہود ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہلاک کرے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کو اس عیب سے انہوں نے وصف کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے، اور ان کے اس قول کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ﴾ إلى آخر الآية (البقرۃ:245)، تو ان یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "إِنَّ رَبَّكَ افْتَقَرَ يَسْأَلُ القَرْضَ مِنَّا" (سبحان اللہ، نعوذ باللہ)، وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا ہے: ﴿مَنْ ذَا

﴿الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے جو حسنہ قرض ہے) ﴿فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ﴾ (اللہ تعالیٰ اُسے دُگنا کر کے دے دے واپس)۔

تو جو بھی عربی سمجھتا ہے اسے پتہ ہے کہ اس کا معنی کیا ہے، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قرض کی ضرورت ہے، بلکہ یہ ہے کہ آپ اچھے اعمال کریں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کچھ جو بھی صدقہ دیتے ہیں فقراء کو اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ تمہیں دے گا۔

اور لفظ قرض کا ہے، یعنی تمہارا یہ زائل جیسا کہ انسان کسی کو قرض دیتا ہے اس کا حق واپس آتا ہے تمہارا یہ جو بھی نیک عمل ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیتے ہو صدقات اور خیرات کبھی تمہارا یہ ضائع نہیں ہوگا اور کبھی کم بھی نہیں ہوگا (سبحان اللہ)، تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور دے گا اور دُگنا ہی دے گا، اگر دنیا میں تمہیں نظر نہ آئے یہ تو آخرت میں یقیناً تمہیں ملے گا۔

تو جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہودیوں نے کہا: "یَا مُحَمَّدُ!" اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہارا ربّ فقیر ہو گیا ہے قرض مانگتا ہے لوگوں سے (سبحان اللہ)۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا﴾: ﴿سَمِعَ﴾ سے کیا مراد ہے؟ دھمکی ہے۔

اور اس میں دھمکی کا معنی تو ویسے موجود ہے جو اصل معنی ہے سننے کا "إدراك الصوت" جو اصل معنی ہے وہ تو ہے نا یہ تو کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے دھمکی مراد ہے تو اللہ تعالیٰ سنتا تو نہیں ہے، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے بغیر سننے کے "یسمع من غیر سمع" (کہ سنتا ہے لیکن ھو السمیع بغیر سمع) سمیع تو ہے لیکن سننے کے بغیر سمیع (سبحان اللہ) ہے۔

اب یہ معمے خود وہ حل کریں جیسے وہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جتنے معنی بھی ہیں "ادراک الصوت" ایک تو استجابۃ الدعاء اچھا دعا کیسے قبول کی جب اللہ تعالیٰ نے سنا ہی نہیں ہے؟!

تو اصل معنی سننے کا وہ سب میں موجود ہے لیکن جب ہم تفصیل بیان کرتے ہیں تو پھر "ادراک الصوت" جو اُس کے تین معنی ہے اور جو دوسرا معنی ہے جس سے صرف سننا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد استجابۃ الدعاء ہے تو اصل معنی جو ہے

نا یہ موجود ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ سارے معنی کو ہم مانتے ہیں لیکن اصل معنی جو ہے وہ نہیں مانتے کیونکہ مخلوق سنتی ہے تو اللہ تعالیٰ کیسے سنتا ہے؟! دیکھیں ٹھوکر کہاں سے کھائی ہے؟ تشبیہ سے۔

سب سے بڑی مصیبت تشبیہ ہے جبکہ تشبیہ لازم نہیں ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:11)۔

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مثل کی کیوں نفی کی ہے؟ کوئی کسی عقلمند سے پوچھ لیں آپ، یا کسی اعرابی سے پوچھ لیں (چھوڑ دیں آپ پڑھے لکھے لوگوں کو) جو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک چیز کی نفی فرما رہا ہے اور یہ قاعدہ سب سے بڑا قاعدہ ہے واللہ یہ، یہ آیت کا حصہ جو ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اس آیت کے اس حصے کو دیکھیں یہی کافی ہے یہ بنیاد ہے اسماء وصفات کے باب میں ۔ نفی جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے کی ہے تم لوگ اس کو ثابت کرنے کے پیچھے کیوں لگے ہو؟!

پتہ ہے یہ جتنے بھی جہمی یا معتزلہ، یا اسماء وصفات کے جو منکر ہیں جن سے غلطی لگی ور ٹھوکریں کھائیں اُن لوگوں نے انہوں نے اس کو سمجھا ہی نہیں ہے اور ایسے نظر انداز اور اگنور (Ignore) کیا ہے کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مثلیت ہے ہی نہیں ممکن ہی نہیں ہے!

اور ثابت تو کیا ہے سمیع اور بصیر اگر مثلیت لازم آتی تو انسان بھی سمیع اور بصیر ہے کہ نہیں؟ انسان سنتا دیکھتا ہے کہ نہیں؟ انسان بھی سنتا دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے مثلیت کی نفی کی ہے پھر ثابت کیا ہے تاکہ کسی پر کوئی ذرّہ برابر بھی خدشہ باقی نہ رہے کہ دور تک بھی کہیں تشبیہ یا تمثیل ہو سکتی ہے۔

الغرض، تیسری آیت اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت کے ثبوت میں جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے وہ سورۃ الزخرف آیت نمبر 80 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾: (کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی خفیہ باتیں اور سرگوشیاں؟) ﴿بَلٰى﴾ (ہر گز نہیں! (یعنی بات ایسی نہیں ہے)) ﴿وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ﴾ (ہمارے رسول جو ہیں (یعنی فرشتے جو ہیں) ان کو لکھتے ہیں جو وہ کہتے ہیں) (الزخرف:80)۔

جب انسان بات کرتا ہے تو تین قسم کے طریقے سے انسان بات کرتا ہے:

۱-ایک علناً، جیسے ہم بات کر رہے آپ سُن رہے ہیں۔

۲-ایک چھوٹی سی مجلس میں کم آواز میں بات کرنا اسے مناجات کہتے ہیں۔

۳-اور ایک سراً، دو لوگ خفیہ بات آپس میں کرتے ہیں (سبحان اللہ)۔

بات کرنے کا جو طریقہ ہوتا ہے عام طور پر کتنا ہوتا ہے کسی سے؟ اپنے دل میں بات کرنا تو الگ بات ہے اس کی ہم بات نہیں کر رہے (جبکہ اللہ تعالیٰ وہ بھی جانتا ہے آنکھوں کی خیانت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے، ہم اس کی بات نہیں کر رہے) کیونکہ بات سننے کی ہے تو صوت کا ہونا لازم ہے سننے کے لیے جو اصوات ہیں (جو آوازیں ہیں) کتنی قسم کی ہوتی ہیں؟ یا تو بلند آواز ہوتی ہے (علناً)، یا کم آواز ہوتی ہے، اور جو کم آواز ہے اس کے دو حصے ہیں: ایک سرگوشی ہوتی ہے، اور ایک خفیہ بات ہوتی ہے (ایسا ہوتا ہے نا)۔

سرگوشی جسے کہتے ہیں مناجاۃ عربی میں: یعنی دو یا تین لوگ بیٹھے ہیں اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

مزید کم کر کے اگر اور قریب ہو کر بات کرتے ہیں اور کم آواز میں تو اسے "سِر" کہتے ہیں (خفیہ بات)۔

اب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے؟ ﴿بَلٰی﴾: یہ جو اسلوب ہے یعنی جو بات کی ہے ایسی نہیں ہے اس کے برعکس ہے، یعنی ہم یقیناً سنتے ہیں تم جو گمان کرتے ہو وہ غلط گمان کرتے ہو۔ تو اس سے سننا بھی ثابت ہوا اور دھمکی بھی ثابت ہوئی۔

بلکہ اس سے زیادہ جو ہے اس سے مزید تاکید کر کے کہ فرشتے بھی ہیں، یعنی ایک تو اللہ تعالیٰ کا سننا کافی ہے پھر فرشتے بھی ہیں جو لکھ رہے ہیں (سبحان اللہ)، یعنی تمہاری پکڑ تو ہونی ہے اگر تم سنبھل نہیں جاتے ہو اور توبہ نہیں کرتے ہو۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کتنے موقعے دیئے ہیں! یہ نہیں کہ کتنی غلطیاں کی ہیں یا کفر تک بات کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کو فقیر کہنا کفر ہے)۔ تب بھی دھمکی کس لیے انسان دیتا ہے؟ بھئی سدھر جاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔ عام طور پر دھمکی کا معنی کیا ہوتا ہے؟! اس کے باوجود بھی دیکھیں یہودی (نعوذ باللہ) اپنے اس شَر سے باز نہ آئے (اِلا من رحم اللہ سبحانہ وتعالیٰ)۔

چوتھی آیت جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اللہ تعالیٰ کی صفت سننے اور دیکھنے کی ایک ساتھ ہی ایک آیت میں ہے سورۃ طہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَالَ لَا تَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسۡمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں)(طہ:46)۔

جیسے میں ابھی پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ خطاب سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ فرمایا ہے: "کہ میں خوب سنتا ہوں جو آپ دونوں کہتے ہیں اور جو آپ لوگوں سے کہا جا رہا ہے، اور خوب دیکھتا ہوں جو آپ کر رہے ہیں (آپ دونوں) اور اُن کو بھی خوب دیکھ رہا ہوں جن کی طرف میں نے آپ دونوں کو بھیجا ہے، اور یہ بھی خوب دیکھ رہا ہوں آپ دونوں کیا کر رہے ہیں اور یہ بھی خوب دیکھتا ہوں وہ لوگ کیا کریں گے"۔

دیکھیں ایک لفظ میں ﴿أَسۡمَعُ وَأَرَىٰ﴾: اب ﴿أَرَىٰ﴾ کے لفظ میں یہ چاروں معنی موجود ہیں۔

جب یہ وسیع معنی موجود ہو سننے اور دیکھنے کے لفظ میں تسلی ہوتی ہے کہ نہیں؟ سکون ہوتا ہے کہ نہیں؟ بھئی جتنا بھی بڑا ظالم ہے جتنا بڑا طاقتور ہے جب اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے تو پھر مجھے کس چیز کی پرواہ ہے؟! (سبحان اللہ)۔

کیونکہ تکلیف کوئی کسی شخص کو دیتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، یا زبانی ہوگا (یا قول سے)، یا فعل سے ہوگا نا۔

یعنی فرعون اور اس کا لشکر جو بھی اس کے حواری ہیں اگر کوئی بھی غلط کہیں گے یا کچھ بھی غلط کریں گے تو اُن کی خیر نہیں ہے کیونکہ میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ تو اس میں ہر قسم کی تکلیف سے بچنے کا ایک طریقہ بتایا ہے کہ نہیں؟ یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے جو غلط کہیں گے میں سنتا ہوں جو غلط کریں گے میں دیکھتا ہوں، اس سے تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔

پانچویں آیت اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت کے ثبوت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو بیان کی ہے وہ سورۃ العلق کی آیت نمبر 14 ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمۡ يَعۡلَم بِأَنَّ ٱللَّهَ يَرَىٰ﴾ (کیا یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے)(العلق:14)۔

اور یہ ضمیر جو ہے ﴿أَلَمۡ يَعۡلَمۡ﴾ میں (کیا یہ نہیں جانتا) یہ اُس شخص کی طرف لوٹتا ہے یہ ضمیر کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچائی ہے (یا اساءت کی ہے)، یا بد تمیزی سے پیش آیا ہے، اور اس سے مراد ابو جہل ہے

جیسا کہ سورۃ العلق کی آیات میں آیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۝ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝﴾ (العلق:9-14)۔ یہ سیاق اور سباق ہے اس آیت کا۔

اور قصہ معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے کعبہ کے قریب جب مکہ میں تھے تو ابو جہل نے منع کیا لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باز نہ آئے اور نماز پڑھتے رہے (اُن کے کہنے سے رُکے نہیں) کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے دیگر لوگ بھی آکر طواف کرتے تھے (جو مشرکین تھے وہ بھی طواف کرتے تھے) تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھنے کو جاری رکھا، تو ایک مرتبہ ابو جہل غصے میں آیا کیونکہ سردار تھا اور لوگ کہتے تھے طعنے دیتے تھے کہ تم نے منع کیا پھر بھی وہ دیکھو نماز پڑھنے جا رہا ہے! کیونکہ شَر پسند ہوتے ہیں ہر جگہ پر، تو ابو جہل بڑا غصے میں آیا ہے اور کہا: اے محمد! اگر میں نے تمہیں دوبارہ دیکھا یہاں آکر تم سجدہ دے رہے ہو اور نماز پڑھ رہے ہو تو (نعوذ باللہ) اپنے پاؤں سے تمہارے سَر کو روند دوں گا میں۔

تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ آئے نماز پڑھنے کے لیے نماز پڑھی ابو جہل نے دیکھا تو آگے کی طرف بڑھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کے لیے، پھر اچانک رُکا اور پیچھے کی طرف پلٹا اور سب اُس کے حواری دیکھ رہے ہیں سب دیکھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے! اور آگے بڑھنے سے یعنی رُک گیا اور پیچھے کی طرف چلا گیا۔ تو اس سے کسی نے پوچھا بھئی کیا ہو گیا ہے تم تو بڑا دعویٰ کرتے تھے میں یہ کر دوں گا میں وہ کر دوں گا کیا تم نے کچھ نہیں ہے بلکہ تمہارا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا ہے ڈر کے مارے! (سبحان اللہ، دیکھیں جب کسی کے دل پر مہر لگ جائے تو ہوتا کیا ہے اُس نے اپنی آنکھوں سے اب دیکھ لیا حق) کہتا ہے: "اللہ کی قسم! میں نے دیکھا ہے کہ میرے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بیچ میں ایک آگ کی خندق ہے اور اس میں کچھ چیزیں اُڑ رہی ہیں اگر میں قریب جاتا تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے وہ"۔

یعنی فرشتے تھے جو حفاظت کرنے والے تھے اس لیے وہ پیچھے کی طرف پلٹا اور جو اس کی خواہش تھی وہ پوری نہ ہو سکی اور کبھی ہو بھی نہیں سکتی تھی (نعوذ باللہ) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طریقے سے کوئی نقصان پہنچائے، تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی﴾۔

یعنی وہ بھی خوب جانتا ہے ابو جہل کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے، مشرکین نے اس اللہ تعالیٰ کی صفت کا انکار نہیں کیا (سبحان اللہ) کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ نہیں دیکھتا، یہ تو اہل بدعت نے اپنے اس باطل کو ایجاد کیا ہے (نعوذ باللہ)۔

الغرض، تو اس میں جو صفت کا بیان ہوا ہے صفۃ السمع تو سننے کی صفت ہم بیان کر چکے ہیں، دیکھنے کی صفت جو ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اس کے دو معنی ہیں (یہ بھی ذرا سمجھ لیں آپ):

1-جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا مراد ہے اس سے؟ دیکھتا ہوں آنکھوں سے۔ دیکھنا جو انسان دیکھتا ہے "ادراک المبصرات" (چیزوں کو دیکھنا)۔

2-دوسرا معنی ہے علم کا کہ میں جانتا ہوں (یہ بھی معنی ہے عربی میں)۔

دیکھنے کے لفظ میں ایک علم کا معنی ہے دوسرا دیکھنے کا معنی ہے، اور دیکھنے کے پھر تین معنی ہیں: "میں دیکھ رہا ہوں":

(۱) دھمکی بھی ہے۔ (۲) تائید بھی ہے۔ (۳) اور احاطہ بھی ہے دیکھنے کا۔ جیسا کہ سننے کا ہے دیکھنے کا بھی ایسا ہی ہے۔

بچہ کوئی غلطی کر رہا ہے آپ کے سامنے یا کوئی شرارت کر رہا ہے آپ کہتے ہیں میں دیکھ رہا ہوں رُک جائے گا کہ نہیں؟ اس کو پتہ میں شرارت کر رہا ہوں تو رُک جائے گا اس بچے کی دیکھیں فطرت میں ہے۔

کس نے بچے کو یہ یعنی سکھایا ہے یا ٹریننگ دی ہے کہ اگر میں تمہیں کہوں دیکھ رہا ہوں تم غلطی کر رہے ہو تو مطلب ہے کہ رُک جانا مطلب اس کا دھمکی ہے؟! کوئی ٹریننگ دیتا ہے؟! نہیں۔ اپنی فطرت سے وہ جانتا ہے کہ جب میں شرارت کوئی کر رہا ہوں اور مجھے روکا جا رہا ہے میں رُکتا نہیں ہوں کوئی اچھا کام نہیں کر رہا، جب کہتا ہے میں دیکھ رہا ہوں تو مجھے رُکنا چاہیے ورنہ میری خیر نہیں ہے! ایسے ہوتا ہے اِلا یہ کہ کوئی شخص اس فطرت کے خلاف کوئی قدم اٹھائے اور اس کی ایسی تربیت کرے کہ اب اس کے اندر سے یہ معنی ہی چلا جائے ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

اب بچہ شرارت کرتا ہے آپ کہتے ہیں میں دیکھتا ہوں پھر مسکراتے بھی ہو، اس کو اور شرارت کرنے کے لیے موقع دے دیتے ہو اصل میں اب تم نے معنی تبدیل کر دیا اس کے ذہن میں۔ اب کہتے ہو نا "میں دیکھ رہا ہوں" وہ پھر شرارت کرتا رہتا ہے کہ یہ تو کہتا ہی رہتا ہے۔ ایسا ہے کہ نہیں؟

یہی ہوا ہے اہل بدعت کے ساتھ بھی کہ جب انہوں نے اصل معنی سے بات کو بالکل دور کر دیا ہے اس لیے اُن کو بار بار ٹھوکر کھانی پڑی ہے اور بار بار اس طریقے سے جو واضح معنی ہیں اُن سے وہ بے چارے پیچھے رہ گئے۔

علم کا معنی بھی ہے کہ دیکھنے میں علم کا معنی پہلے اس کی دلیل سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝٦ وَنَرَاهُ قَرِيبًا﴾ (بے شک وہ قیامت کے دن کو دور دیکھتے ہیں، اور ہم قریب دیکھتے ہیں)(المعارج:6-7)۔

قیامت کا دن نظر آتا ہے کیا خیال ہے؟ دن، کوئی دن بھی نظر آتا ہے؟ دن دیکھنے کی چیز ہے یا دن کا تعلق علم سے ہے؟ یعنی ہمارے علم میں ہے۔ اُن کا علم یہ ہے کہ وہ دور ہے، ہمارے علم میں ہے کہ وہ قریب ہے لیکن لفظ کون سا ہے؟ رؤیہ کا (دیکھنے کا) لفظ ہے۔

اور اس آیت میں: ﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ﴾: اس میں دونوں معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا بھی ہے۔

اور تفسیر کا قاعدہ کیا ہے؟ کہ اگر دونوں معنی ممکن ہوں کوئی تضاد نہ ہو، کوئی منافات آپس میں بیچ میں نہ ہو تو دونوں معنی لیے جاتے ہیں کہ نہیں؟ دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں۔

چھٹی آیت، اور اس میں تیسری ہو گی صفۃ الرؤیۃ (اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت) کے بیان میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝٢١٨ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝٢١٩ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝٢٢٠﴾(الشعراء:218-220)۔ اور اس آیت سے پہلے (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ﴾ (الشعراء:217)۔

اور دیکھنے سے مراد یہاں پر رؤیۃ البصر ہے ﴿الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ﴾(وہ جو تمہیں دیکھتا ہے جب آپ قیام کی حالت میں ہوتے ہیں)، اور یہاں پر صرف علم کا معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے اس سے پہلے کہ قیام کی حالت میں ہوں قیام کی حالت کے بعد بھی، تو علم سے زیادہ معنی ہے دیکھنے کا جو صحیح دیکھنا ہے۔

﴿الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ﴾ یہ بھی دیکھتا ہے۔ تو اس سے کیا علم مراد ہے یا اصل دیکھنا جو ہے؟ کیونکہ اگر علم ہوتا تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے قیام سے پہلے بھی اس کے بعد بھی، دن میں بھی رات میں بھی ، یہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل میں کھڑے ہو جاتے تھے سجدہ کرتے تھے اب یہ دیکھنا جو ہے علم تو ہے وہ الگ ہے اس سے دوسرا معنی جو ہے جو اصل معنی ہے دیکھنے کا وہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾(بے شک اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے)، تو علم بھی اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے، اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تینوں کو جمع کر دیا ہے صفۃ السمع، صفۃ العلم اور صفۃ البصر کو بھی (دیکھنے کو بھی)۔

ساتویں آیت ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾(التوبہ:105)۔

اور اس آیت سے پہلے شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱۰۳ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝۱۰۴﴾(التوبہ:103-104)۔ اور اگلی آیت 105 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (شیخ صاحب فرماتے ہیں): ”قال ابن كثير وغيره: قال مجاهد: هذا وعيد - يعني من الله تعالى - للمخالفين أوامره“ (یہ وعید ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہے) ”بأن

أعمالهم ستعرض عليه وعلى الرسول والمؤمنين"(کہ ان کے اعمال کو پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کے سامنے)"وهذا كائن لا محالة يوم القيامة"(اور یہ ہو کر رہے گا قیامت کے دن)"وقد يظهر ذلك للناس في الدنيا"(اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دکھادے گا)۔اور شاہد کیا ہے؟ ﴿فَسَيَرَى اللَّهُ﴾(اللہ تعالیٰ دیکھے گا)۔

اور رؤیت سے مراد یہاں پر دونوں ہیں:"العلمية والبصرية"(علم بھی اور اصل صحیح دیکھنا بھی (حقیقی دیکھنا بھی) دونوں شامل ہیں)۔

پھر شیخ صاحب خلاصہ بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سننے اور دیکھنے کی صفت کے تعلق سے: کہ سمع کی دو قسمیں ہیں:

(۱)ایک "استجابة الدعاء"(دعا کی استجابت جو ہے)۔(۲)اور دوسرا جو ہے آواز کا سننا۔

اور جو آواز کا سننا ہے اس کی تین قسمیں ہیں کون سی تین قسمیں ہیں؟

(۱)تہدید ہے (دھمکی)۔

(۲)تائید ہے (مدد اور اعانت)۔

(۳)اور احاطہ ہے۔

اور دیکھنے کی صفت کی بھی دو قسمیں ہیں:(۱)ایک ہے علم۔(۲)اور دوسرا ہے ادراک المبصرات (دیکھنا جو ہے)۔اور جو ادراک المبصرات ہیں (دیکھنے کی) اس کی بھی تین قسمیں ہیں:

(۱)ایک ہے "النصر والتأييد" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسۡمَعُ وَأَرَىٰ﴾(طہ:46)۔

(۲)" الإحاطة والعلم" جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعَۢا بَصِيرٗا﴾(کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے)(النساء:58)۔﴿سَمِيعَۢا بَصِيرٗا﴾ اس میں علم اور احاطہ آ گیا ہے۔

(۳)اور تہدید اور دھمکی تیسری قسم جو ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (التوبہ:94)، کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ لے گا، اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تو یہاں پر ﴿سَيَرَى اللّٰهُ﴾ سے کیا مراد ہے؟ دیکھنے سے کیا مراد ہے؟ دھمکی ہے۔

اور ''الناحية المسلكية'' ایمان کے تعلق سے (یعنی ہمیں مسلک کے تعلق سے اور ایمان کے تعلق سے) ہمیں کیا فائدہ ہو گا جب ہم اللہ تعالیٰ کی ان دو پیاری صفات پر ایمان لائیں گے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: دیکھنے کی بات جب ہم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے تو اس صفت پر ایمان سے یہ فائدہ ہو گا کہ ہمارے دلوں میں ڈر پیدا ہو گا اور امید بھی پیدا ہو گی، تو ڈر اور امید جو ہے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ جب کوئی نافرمانی کرے گا، یا نافرمانی کرنے کے بارے میں سوچے گا تو ڈر دل میں پیدا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے۔ اور جب انسان کوئی نیک عمل کرنے کی کوشش کرے گا یا نیک عمل کرے گا تو دل میں اس کے امید پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں ثابت قدمی بھی عطا فرماتا ہے اور کسی شخص کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور اچھا عمل کرتا ہے تو اسے امید بھی ہوتی ہے پھر ثابت قدمی بھی اور مضبوطی بھی اس کی عبادت میں ہوتی ہے، اور جو عزیمتیں ہیں وہ بھی مضبوط ہو جاتی ہیں اور طاقتور ہو جاتی ہیں اور جو ارادہ ہوتا ہے نافرمانی کرنے کا یا معصیت کرنے کا وہ پست پڑ جاتا ہے اور کمزور ہو جاتا ہے۔

اور سننے کی صفت میں یہ بات ظاہر ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ جب انسان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے خوب سنتا ہے تو اس کا یہ ایمان اللہ تعالیٰ کے مراقبے کو لازم کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اسے سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مراقبے میں رہتا ہے ہمیشہ تو خوف اور امید اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ صرف وہی بات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور پر اس بات سے رُک جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے کی صفت سے یہ خوف، ڈر، امید، یہ ساری چیزیں جڑی ہوئی ہیں اور دونوں صفات کے ایمان کا یہ تقاضہ ہے کہ انسان ہمیشہ خیر عمل کرتا رہے اور شَر سے دور رہے، جو بھی نافرمانی کے راستے ہیں یا جو بھی نافرمانیاں ہیں اُن سے دور رہے اور جو بھی خیر کے کام ہیں جو بھی فرمانبرداری ہے اطاعت ہے اس میں آگے بڑھے کیونکہ اسے پتہ ہے اللہ تعالیٰ خوب سنتا ہے اور خوب دیکھتا ہے۔

جب وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے تو ایسی بات کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اور ہر اس بات سے دور رہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے، اور عمل بھی وہ کرے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے، اور ہر اس عمل سے دور رہے اور چھوڑ دے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

تو ان دو پیاری صفات کے تعلق سے یعنی مختصر چند باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کہنے کی اور اس کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور جتنی بھی اس معاملے میں یا دیگر معاملات میں جو بدعات اور خرافات ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے دور فرمائے اور حق بات کرنے کی اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (44.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔